بیچارے گھروں کا انتظام کرے گی۔ اس کے بعد متاثرین کے پاس بچا کھچا حصہ جائے گا۔ اس صورت حال سے نہ صرف عالمی سطح پر پاکستان کی سبکی ہوئی، بلکہ متاثرین سیلاب پر بھی اس کی شامت زیادہ پڑی۔ کیونکہ کسی بھی صورت کرپشن، بدعنوانی، رشوت ستانی، خرد برد اور نفسانفسی سے وقتی طور پر ملوث بندے کا معاملہ سدھرتا ہے؛ مگر اس کے دوررس برے نتائج پورے ملک کو بھگتنا پڑتے ہیں۔ اور ایک شخص کے کرتوت کی سزا بے گناہوں اور معصوموں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔ جب حکومت کی کوئی کل سیدھی نہ ہو تو عوام کے بگڑنے اور مادہ پرست ہونے میں کیا دیر لگتی ہے۔

۱۱۔ بلائے ناگہانی سے نمٹنے کے لیے ضروری اقدامات کیے جائیں: وطن عزیز میں قدرتی وسائل اور آبی وسائل کو بروئے کار لانے کے مواقع اسی طرح زیادہ اور اہم ہیں، جس طرح ان وسائل سے استفادہ کرنے کے مواقع زیادہ اور ضرورت بھی زیادہ ہے۔ اس کے لیے کالا باغ ڈیم اور دیگر مناسب جگہوں پر بند بنائے جائیں۔ جن سے آم کے آم گٹھلی کے دام کا فائدہ حاصل ہوگا۔ ایک تو ان پانیوں کو ذخیرہ کیا جاسکے گا اور ضرورت کے موقع پر استعمال کرنے کو ملے گا۔ دوسری طرف نقصانات میں کمی آجائے گی؛ کیونکہ ان ضائع ہونے والے پانیوں کو کچھ وقت کے لیے ڈیموں میں جمع کیا جاتا رہے گا۔ نیز ان پانیوں سے بجلی بڑی مقدار میں پیدا ہوگی۔ اور بجلی کے بحران پر قابو پایا جاسکے گا۔ مگر ان مقاصد کے حصول کے لیے حب الوطنی، اخلاص، قومی ہمدردی اور جرأت و ہمت اولین شرط ہوں گے۔

اس کے علاوہ ان جیسی ہنگامی صورتحال سے نمٹنے کے لیے پانی کی گزرگاہوں کو درست رکھنا ہوگا۔ وسیع تر اور اجتماعی مفادات کو ہدف بنا کر تجاوزات کو ہٹانا ہوگا۔ چاہے کہ ان تجاوزات کو ہٹانے کی زد میں جو بھی آجائے، ملکی مفادات اولین ترجیح ہونا چاہیے۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

امام اسحاق ابن راھویہؒ

ابو یعقوب إسحاق بن إبراهيم التميمي الحنظلي المروزيؒ سنہ ۱۶۶ھ میں مرو میں پیدا ہوئے۔ ''ابن راھویہ'' کے نام سے مشہور ہوئے۔ امام احمدؒ کہتے ہیں: میں عراق کے اندر اسحاق کے ہم پلہ کسی کو نہیں جانتا۔ امام ابوزرعہ دمشقیؒ نے کہا: اسحاق سے بڑھ کر کوئی حافظ نہیں دیکھا گیا۔ ابو حاتمؒ نے کہا: وسعت حافظہ کے ساتھ غلطیوں سے بچنے کا ملکہ قابل تعجب ہے۔ آپؒ نے نصف شعبان کی شب ۲۳۸ھ میں وفات پائی۔

جہاد برائے بحالی عظمت رفتہ قسط: 2

جهاد في سبيل الله

ڈاکٹر بسام الشطی: از مجلّہ ''الفرقان'' کویت
ترجمہ، تلخیص واضافہ: ابومحمد

پانچواں درجہ ﴿۵﴾ ''بدعات ومنکرات سے جہاد'':

جہاد کی یہ قسم نبی کریم ﷺ کے بیان فرمودہ مراتب کے مطابق ہاتھ، زبان اور دل سے ادا ہوتی ہے۔ ''مَنْ رأى منكمْ منكرًا فليغيرْه بيدِه، فإن لم يستطعْ فبلسانِه، فإن لم يستطعْ فبقلبِه، وذلكَ أضعفُ الإيمانِ'' [صحيح مسلم ح:١٨٦، مسند أحمد ح:١١١٦٦] ''تم میں سے جو کوئی برائی کو دیکھ لے، تو اس کو اپنے ہاتھ سے روک دے، اگر ایسا نہ کر سکے تو زبان سے روکے، اگر یہ بھی نہ کر سکے تو دل سے نفرت کر لے، اور یہ تو ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔'' حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مَا مِن نبيٍ بعثَه اللّٰهُ في أمةٍ قبلي إلا كانَ لهُ من أمتِه حواريُّونَ وأصحابٌ يأخذونَ بسنتِه ويقتدونَ بأمرِه، ثمّ إنّها تخلفَ مِن بعدِهم خلوفٌ يقولون ما لا يفعلونَ، ويفعلونَ ما لا يُؤمَرون، فمَن جاهدَهم بيدِه فهو مؤمنٌ ومَن جاهدَهم بلسانِه فهو مؤمنٌ، ومَن جاهدَهم بقلبِه فهو مؤمنٌ، وليسَ وراءَ ذلك مِن الإيمانِ حبةُ خردلٍ.'' [صحيح مسلم ح:١٨٨] ''مجھ سے پہلے جو بھی نبی مبعوث ہوا، اس کے لیے اس کی امت میں خاص معاونین اور ساتھی ہوتے تھے، جو اس کی سنت کی پابندی کرتے اور اس کے حکم کی پیروی کرتے تھے۔ پھر ان کے بعد ایسے نااہل جانشین پیدا ہوئے جو ایسی باتیں کہتے تھے جن پر خود عمل پیرا نہیں ہوتے تھے، اور ایسے اعمال انجام دیتے تھے جن کا انہیں حکم نہیں دیا جاتا تھا۔ پس جو کوئی ان سے اپنے ہاتھ سے جہاد کرے، تو وہ مؤمن ہے۔ اور جو اُن سے اپنی زبان سے جہاد کرے، تو وہ بھی مؤمن ہے۔ اور جو کوئی ان سے اپنے دل کے ذریعے جہاد کرے، تو اس کا شمار بھی مؤمنوں میں ہے۔ اور اس کے بعد تو رائی کے دانے برابر بھی ایمان نہیں ہے۔''

جہاد فی سبیل اللہ کی شرائط: علمائے دین نے قرآن وحدیث کی روشنی میں وہ شروط بیان کیے ہیں، جو ''جہاد'' کے ''فی سبیل اللّٰہ'' ہونے کے لیے ضروری ہیں:

{1} مجاہد کا ''مسلمان'' ہونا ضروری ہے۔ حضرت عائشہ کہتی ہیں: جب رسول اللہ ﷺ بدر کی طرف تشریف لے گئے، پتھریلی زمین ''وبـــرہ'' پر پہنچے، تو ایک مشرک شخص آپ سے ملا، (اس نے شرکت کی پیشکش کی) اس کی بہادری اور حربی مہارت مشہور تھی۔ آپ ﷺ نے اس سے فرمایا: ''تـؤمنُ باللّٰہِ ورسولِہ؟'' اس نے کہا: ''نہیں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''ارْجِعْ فَلَنْ أستعِينَ بمشرِکٍ'' [الترمذي ح:١٥٥٨ وحسنہ، وصححہ الألباني] ''واپس چلے جاؤ، میں کسی مشرک سے ہرگز مدد نہیں لیتا ہوں۔''

{2,3} ''عاقل، بالغ'' ہونا بھی مطلوب ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''عُـرِضْـتُ عـلـٰی رسـولِ اللّٰہِ ﷺ فـي الـقـتـالِ يـوم أحُـدٍ وأنـا ابـنُ أربعَ عشرةَ سنةً فلم يُجزني، وعُرِضْتُ عليهِ يومَ الـخـنـدقِ وأنا ابنُ خمسَ عشرةَ سنةً فأجَازَني'' [البخاري ح:٣٨٧١، مسلم ح:٤٩٤٤] یعنی چودہ سالہ شخص بچہ ہے اور پندرہ سالہ نوجوان مجاہد۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے یہی حدیث سن کر فیصلہ صادر کیا: ''یہ بچے اور جوان مجاہد کا فرق ہے۔'' [الترمذي بعد ح:١٣٦١]

{4} جہاد کی فرضیت کے لیے ''آزاد ہونا'' ضروری ہے؛ غلاموں پر جہاد فرض نہیں۔ البتہ غلام اپنے آقا کی اجازت سے جہاد کرسکتا ہے۔ امام بیہقی روایت بیان کرتے ہیں: ''عبدٌ اتبعَ رسولَ اللّٰہ ﷺ في بعض مغازيهِ فـقـال: ''أذِنـتْ لَکَ سَيِّـدَتُـکَ؟'' قـال: لا، قال: ''ارجعْ إليها، فإنَّ مثلکَ مثلُ عبدٍ لا يُصلي إن متَّ قبلَ أن تـرجـعَ إليها، واقرأ عليها السلامَ'' فرجعَ إليها فقالتْ: آللّٰہِ هو أمَرَکَ أن تقرأ عليَّ الســلامَ؟ قال: ''نعم'' قالت: ارجعْ فجاهِدْ معَه'' [السنن الصغير للبيهقي باب من لا يجب عليه الجهاد، الحاکم ٢/١٢٩ وقال: صحيح الإسناد] ''کیا اللہ کی قسم اسی نے تجھے حکم دیا کہ مجھے سلام کہہ دے؟'' اس نے کہا: ہاں۔ اس پر وہ بولی: ''تو جا اور اس کے ساتھ جہاد کر۔''

امام بیہقی کہتے ہیں: ''اسی طرح مقروض کو بھی اپنے قرض خواہ کی اجازت کے بغیر جہاد نہیں کرنا چاہیے۔

{5} ''مردانگی'' بھی فرضیت جہاد کی شرط ہے۔ ''عورت'' کو اللہ تعالیٰ نے جہاد کا مکلّف نہیں بنایا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جِهادُ الکبيرِ والضعيفِ والمرأةِ الحجُّ والعمرةُ'' [النسائی ح:٢٦٢٥ وحسنہ الألباني، مسند أحمد ح:٩٤٤٠] لیکن عورتیں کسی اہم خدمت کے لیے میدان جنگ میں جاسکتی ہیں۔ اور کبھی اسے دفاع کے لیے مسلح جنگ لڑنے کی بھی نوبت آسکتی ہے۔

{6} جہاد سے مانع آفات سے پاک ہونا: جیسے اللہ پاک نے فرمایا: ﴿لَيْسَ عَلَى الْأَعْمَى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْأَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيضِ حَرَجٌ﴾ [الفتح ١٧] ''نابینے، لنگڑے اور بیمار شخص پر (جہاد میں عدم شرکت پر) کوئی تنگی نہیں ہے۔''

﴿لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ [التوبة ٩١] ''کمزوروں، مریضوں اور ان غریبوں پر (جہاد میں نہ جانے میں) کوئی حرج نہیں ہے جنہیں (جہاد کا) خرچ میسر نہ ہو، بشرطیکہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ خیر خواہی کریں۔''

{7} استطاعت وطاقت: اللہ پاک کا ارشاد ہے: ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ [البقرة ٢٥٦] ''اللہ تعالیٰ کسی بھی فرد کو اس کی استطاعت سے بڑھ کر حکم نہیں فرماتا۔''

یہ شرط امت اسلامیہ کی جہادی تاریخ سے بھی واضح ہوتی ہے۔ جب انسان جہاد کی استطاعت نہ رکھے، تو شریعت نے متبادل احکام دیے ہیں جن کی پابندی کرنی چاہیے۔ مثلاً صبر اور دیگر پرامن کوششوں سے دشمن کے حملے کی روک تھام۔ حتیٰ کہ کبھی ذرا دب کر بھی صلح کرنے کی نوبت آسکتی ہے۔

صلح حدیبیہ اور اس کے اسباق:

صلح حدیبیہ کی شروط میں بھی اہل اسلام کے لیے فقہ، حکمتیں اور مصلحتیں پنہاں ہیں۔ حتیٰ کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسی عظیم الشان شخصیت اس کے ظاہری الفاظ سے پریشان ہوگئے، جس سے بچ سکے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ۔

اس صلح میں مندرجہ ذیل اسباق ہیں: [1]: اللہ تعالیٰ نے اس کو ''فتح'' قرار دیا۔ ﴿فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا ۝﴾ [الفتح ٢٧] ''پس اللہ نے اس چیز کو جان لیا جو تم نہ جان سکے، تو اس نے اس کے بعد قریبی فتح مقرر فرمادی۔'' یہ فتح دشمنوں پر جنگ میں کامیابی حاصل کرنا ہی ہے۔ جیسے فرمایا: ﴿وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا﴾ [الفتح ٢٠] ''اللہ تعالیٰ نے تم سے بہت سارے مال غنیمت کا وعدہ فرمایا ہے جو تم حاصل کرو گے۔'' اس بشارت کی تکمیل فتح خیبر سے ہوئی۔ جس سے مسلمانوں کے معیار زندگی میں واضح برتری آئی۔

[2]: صلح حدیبیہ کے موقع پر **1400** سے زیادہ مہاجرین وانصار نہ تھے۔ اس صلح کی برکت سے عرب امن کا گہوارہ بن گیا اور اگلے سال ڈیڑھ سال میں گزشتہ سترہ سالوں سے زیادہ تعداد میں لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ ﴿وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۝﴾ [النصر ٢] ''اور آپ نے مشاہدہ فرمالیا کہ لوگ جوق

در جوق اللہ کے پسندیدہ دین میں داخل ہو رہے ہیں۔'' اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ صلح حدیبیہ کے دو سال بعد جب فتح مکہ کے لیے اللہ کے رسول ﷺ روانہ ہوئے تو آپ ﷺ کے ساتھ **10000** مجاہدین تھے۔ اس لشکر جرار کو دیکھ کر قریش کو جنگ کرنے کی ہمت ہی نہ ہوئی اور حرمت والا شہر پورے احترام اور امن کے ساتھ فتح ہو گیا۔

[3]: مسلمانوں کے حکمران کے لیے اہل کتاب اور مجوس وغیرہ کفار کے ساتھ معاہدۂ امن وصلح کرنا بھی جائز ہے۔ حتیٰ کہ بعض علماء نے کہا ہے کہ حالات کے تقاضے کے مطابق جزیہ کے بغیر بھی معاہدہ کر سکتے ہیں، جس طرح صلح حدیبیہ میں ہوا۔ اسی طرح کافر شخص کو دار الاسلام میں آنے اور امن کے ساتھ رہنے کی اجازت دی جا سکتی ہے۔

یہ احکام ثابت کرتے ہیں کہ اہل اسلام کا معاملہ کفار کے ساتھ صرف اور صرف جنگ نہیں، بلکہ مسلح جنگ، مصالحت، صلح اور معاہدہ وغیرہ کوئی بھی صورت ہو سکتی ہے۔

{8}: جہاد کے لیے ولی الامر کی سرپرستی بھی ضروری ہے: ''جہاد فی سبیل اللہ'' کا قیام مسلمانوں کے حکمران کا فریضہ ہے۔ اس کی اجازت کے بغیر کسی کے لیے جہاد کی دعوت دینا یا کفار سے لڑنا جائز نہیں۔ حضرت ابو ہریرہ ؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''**إنّمَا الإمامُ جُنَّةٌ يُقَاتَلُ مِن وَرَائِهِ وَيُتَّقَى بِهِ ، فَإِنْ أَمَرَ بِتَقْوَى اللّٰهِ وَعَدَلَ فَإِنَّ لَهُ بِذٰلِكَ أَجْرًا، وَإِن قال بِغَيْرِهِ فَإِنّ عليهِ مِنهُ.**'' [البخاري ح:٢٧٩٧ ، مسلم ح:٤٨٧٨] امام نوویؒ کہتے ہیں: ''امام ڈھال ہے۔'' یعنی پردے کی مانند ہے، کیونکہ وہ مسلمانوں کو ستانے سے دشمنوں کو روکتا ہے، اور لوگوں کو آپس میں لڑنے سے روکتا ہے، وہ اسلام کے مرکز کی حفاظت کرتا ہے۔ لوگ اس کی مخالفت سے بچتے اور اس کی شان وشوکت سے ڈرتے ہیں۔'' اس کی آڑ میں جنگ کی جاتی ہے۔'' یعنی اس کے ساتھ مل کر کفار، باغیوں، خوارج اور دیگر تمام فسادیوں اور ظالموں سے لڑتے ہیں۔

حکمران لوگوں پر صرف ذاتی رائے مسلط نہیں کرتا؛ بلکہ وہ داخلی وخارجی امور کے ماہرین سے مشورہ لے کر، اپنی اور دشمن کی طاقت کا اندازہ کر کے جنگ اور صلح کے فیصلے کرتا ہے۔ لہٰذا ''جہاد فی سبیل اللہ'' مسلمانوں کے حکمران کے مرتب کردہ نظم ونسق کے مطابق ہی کیا جانا ضروری ہے۔ اور اسی جہاد پر شرعی احکام لاگو ہوتے ہیں، جیسا کہ سیرتِ نبویہ اور خلفاء راشدین سے ثابت ہے۔ امام ابن قدامہؒ کہتے ہیں: جہاد کا معاملہ امام کے حکم اور اس کے اجتہاد پر منحصر ہے۔ اور عوام پر اس کی اطاعت کرنا ضروری ہے۔

شارح بہوتیؒ کہتا ہے: حکمران اپنے لوگوں اور مخالفین کے امور سے آگاہ ہوتا ہے۔ لوگوں پر اس کی اطاعت

لازم ہے، کیونکہ ارشادِ الٰہی ہے: ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ﴾ [النساء ۵۹] ''ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، اور تم میں سے اقتدار والوں کی بھی۔''

اورفرمان الٰہی ہے: ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰۤى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ یَذْهَبُوْا حَتّٰى یَسْتَاْذِنُوْهُ﴾ [النور ٦٢] ''ایمان والے صرف وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لائے، اور جب وہ اس (ﷺ) کے ساتھ کسی اجتماعی معاملے میں ہوتے ہیں تو آپ کی اجازت کے بغیر کہیں نہیں جاتے۔''

امام کاسانی حنفیؒ کہتے ہیں: فوج یا لشکر کو جہاد کے لیے بھیجنا حکمران کی ذمہ داری ہے۔ حکمران کو چاہیے کہ مجاہدین پر ایک سپہ سالار مقرر کرے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے جو بھی چھوٹا بڑا لشکر بھیجا، اس پر سپہ سالار بھی خود مقرر فرمایا۔ نیز سپہ سالار کی تقرری نہایت ضروری ہے، کیونکہ وہ حکمران کے احکام نافذ کرنے اور ماتحتوں کو منظم رکھنے کا پابند ہوتا ہے۔ اور اس لیے بھی کہ ہر مسئلے میں حکمران سے رجوع کرنا مشکل ہوتا ہے۔

ہمارے زمانے میں بہت ساری غلطیاں اس سنت نبویہ کے ترک اور جہاد کے شرائط کا اہتمام نہ کرنے اور اس کے اخلاق و آداب کا خیال نہ رکھنے کی وجہ سے واقع ہوئیں۔

اس کی ایک مثال خوارج ہیں، جنہوں نے مسلمانوں کے امام سے بغاوت کی اور ان سے اسلام کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا، نہ انہوں نے اسلام کو پھیلایا۔ صرف جنگ برپا کی اور خون ریزی کی، جس سے کوئی نہ بچ سکا۔ اسی طرح دنیا بھر میں پھیلے ہوئے گمراہ فرقوں کی مسلح کارروائیاں ہیں؛ جن کی محنتوں نے مسلمانوں کو آزمائش اور پریشانیوں کے سوا کوئی فائدہ نہ دیا۔ یہ ہرگز دعوت دین کا طریقہ نہیں ہے، یہ اسلام کی نصرت کا طریقہ نہیں ہے۔ یہ اسلام اور مسلمانوں کو عزت دینے کا طریقہ نہیں ہے۔

جہاد کی راہ میں حائل رکاوٹیں:

کچھ ایسی رکاوٹیں ہیں جو مسلمانوں پر جہاد کے ''وجوب'' کو ختم کر دیتی ہیں۔ اس کی دو قسمیں ہیں:

[1]: وہ رکاوٹیں جو مسلم حکمران کو جہاد قائم کرنے کی اجازت نہیں دیتیں۔

{1}: جب مسلمانوں کے پاس قوت یا تعداد کم ہونے کی وجہ سے جہاد کرنے کی طاقت وصلاحیت نہ ہو۔

لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ اس صورت میں **''ہاتھ پر ہاتھ دھرے منتظر فردا''** رہیں۔ بلکہ حالت کو بہتر

کرنے اور تعداد کو بڑھانے کے لیے دعوت وتبلیغ پر زور لگائیں۔ اور طاقت وقوت حاصل کرنے کی جدوجہد میں اسلحہ سازی اور نشانہ بازی وغیرہ کی محنت کرتے رہیں۔ اللہ پاک کا ارشاد ہے: ﴿وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ.....﴾ [الأنفال ٦٠] ''اوران کے مقابلے کے لیے جتنا تم سے ہو سکے طاقت کا انتظام کرو اور گھوڑے باندھ کر رکھو، اس (جنگی قوت) کے ذریعے تم اللہ تعالیٰ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو مرعوب رکھیں اور ان کے علاوہ اور بھی (بدخواہوں کو).....''

{2}: جب دارالاسلام کا کفار کے ساتھ امن کا معاہدہ ہو، تو مسلمانوں کے لیے عہد شکنی جائز نہیں ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ﴾ [المائدة ١] ''ایمان والو! معاہدوں کی پابندی کرو۔''

البتہ کسی خاص ضرورت کی صورت میں فریق ثانی کو باقاعدہ اطلاع دے کر معاہدہ قبل از وقت ختم کیا جا سکتا ہے۔ حضرت عمرو بن عبسہ ﷺ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا: ''من كانَ بينَه وبينَ قومٍ عهدٌ فلا يشدَّ عقدةً ولا يحُلَّها حتّٰى ينقضيَ اَمَدُهَا أو يَنبِذَ إليهم علىٰ سواءٍ'' [سنن أبي داؤد ح:٢٧٦١، الترمذي ح:١٥٨٠ وقال: حسن صحيح، وصححه الألباني، مسند أحمد ح:١٧٥٦، ١٧٦٦ وصححه الأرنؤط] ''جس نے کسی قوم سے معاہدہ کر رکھا ہو، وہ معاہدے کی توثیق وتجدید کرے نہ اسے توڑ دے یہاں تک کہ اس کی مدت پوری ہو جائے، یا برابری کی سطح پر اطلاع دے کر معاہدہ ختم کر دے۔''

فریق ثانی خود ہی معاہدہ توڑ دے یا اس کی مدت گزر جائے تو ''جہاد'' کیا جا سکتا ہے۔ جس طرح قریش مکہ نے صلح حدیبیہ کے ایک شرط کی مخالفت کی، تو ''جہاد'' کے ذریعے مکہ مکرمہ پر امن طریقے سے فتح کیا گیا۔

{3}: دشمن سے جنگ نہ کرنے میں کوئی مصلحت ظاہر ہو، جس طرح صلح حدیبیہ میں واقع ہوا۔ اگرچہ مسلمانوں کے پاس حربی طاقت تھی اور انہیں جہاد کا شوق بھی خوب تھا۔ لیکن مسلمانوں کے امام ﷺ نے جنگ پر صلح کو ترجیح دی۔ جس سے دعوت اسلام کے پھیلنے کی راہیں کھل گئیں اور یہودیوں کے خلاف کامیاب کارروائیاں بھی ہوئیں۔

{4}: دشمن سے جنگ کرنے میں نسبتاً بڑے نقصان کا خطرہ محسوس ہو، تو جنگ لڑنے کی اجازت نہیں ہے؛ کیونکہ شریعت کا اصولی قاعدہ ہے: ''نقصان سے بچنا' فائدے کے حصول سے زیادہ اہم ہے۔''

[2]: وہ رکاوٹیں جو انفرادی طور پر آدمی کو جہاد میں شرکت سے روک دیتی ہیں:

{1}: کفر، {2}: تانیث، {3}: جنون، {4}: بچپنا، {5}: غلامی۔

{6}: انفرادی طور پر کسی مجاہد کے لیے **والدین کی طرف سے اجازت نہ ملنا** بھی ایک اہم شرعی رکاوٹ ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک شخص (حضرت جاھمۃ بن العباس بن مرداس رضی اللہ عنہ) نے حاضر ہوکر جہاد میں شرکت کی اجازت طلب کی تو آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: "أحيٌّ والِداكَ؟" (کیا تیرے والدین زندہ ہیں؟) اس نے عرض کیا: ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "فَفِيهِمَا فَجَاهِدْ" (تو ان دونوں کی خدمت میں اپنی صلاحیت صرف کر!) [صحيح البخاري ح:٢٨٤٢، ٥٦٢٧، صحيح مسلم ح:٢٥٤٩]

ایک اور روایت میں ہے کہ اس نے عرض کیا: "میں اپنے والدین کو روتے ہوئے چھوڑ آیا ہوں۔" تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "ارْجِعْ إليهما فأضْحِكْهُمَا كَمَا أبْكَيْتَهُمَا" [السنن الصغير للبيهقي ح:٢٧٨٦] "ان کے پاس واپس جاؤ اور انہیں ہنساؤ، جس طرح تو نے انہیں رلایا ہے۔"

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میں رضائے الٰہی کی خاطر ہجرت اور جہاد پر بیعت کرنا چاہتا ہوں، جس کا ثواب اللہ پاک سے مانگتا ہوں۔" آپ ﷺ نے فرمایا: "فهل مِن والدَيْنِ أحدٌ حيٌّ؟" (والدین میں سے کوئی زندہ ہے؟) اس نے عرض کیا: بلکہ دونوں ہی زندہ سلامت ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "فهل تبتغي الأجرَ من اللّٰه؟" (پھر واقعی تم اللہ سے ثواب لینا چاہتے ہو؟) اس نے عرض کیا: "جی ہاں" آپ ﷺ نے فرمایا: "فارْجِعْ إلىٰ والديكَ فأحْسِنْ صُحْبَتَهُمَا" (تو اپنے والدین کے پاس لوٹ جاؤ اور ان سے حسن سلوک کرو۔) [صحيح مسلم ح:٦٦٧١]

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے یمن سے رسول اللہ ﷺ کی طرف ہجرت کی۔ آپ ﷺ نے پوچھا: "هل لك أحدٌ باليمن؟ (کیا تیرا کوئی ہے یمن میں؟) اس نے عرض کیا: میرے ماں باپ ہیں۔ آپ ﷺ نے دریافت کیا: "أذِنَا لكَ؟" (انہوں نے تجھے اجازت دی ہے؟) اس نے گزارش کی: نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "ارْجِعْ إليهما فاسْتَأذِنهما، فإن أذنا لكَ فجاهِدْ وإلا فَبَرَّهُمَا" (ان کے پاس واپس جاؤ اور ان سے اجازت مانگو، اگر وہ دونوں تجھے اجازت دیں تو جہاد کر، ورنہ ان کے ساتھ حسن سلوک کرتے رہو۔" [سنن أبي داؤد ح:٢٥٣٢ وصححه الألباني]

"جہاد فی سبیل اللہ" جیسے افضل عمل کے لیے مسلمان کو اپنے **والدین کی اجازت** کا پابند کیوں بنایا گیا؟ آیات کریمہ اور احادیث شریفہ کی روشنی میں اس سوال کا جواب یہ ملتا ہے کہ اللہ رب العزت کی شریعت میں عقیدہ توحید

کے بعد انسان پر والدین کی اطاعت بہت ضروری ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے: ﴿وَقَضٰى رَبُّكَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا.....﴾ [الإسراء ٢٣] ''اور آپ کے رب نے فیصلہ صادر فرمایا ہے کہ تم اسی کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو گے اور والدین کے ساتھ احسان کرو گے.....'' حتیٰ کہ کافر و مشرک والدین کے ساتھ بھی مسلمان اولاد کو حسن سلوک کرنے کا پابند بنایا ہے: ﴿وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا وَاِنْ جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا﴾ [العنكبوت ٨] اور فرمایا: ﴿وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ○ وَاِنْ جَاهَدَاكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا﴾ [لقمان ١٤-١٥] ''اور ہم نے انسان کو اپنے والدین کے بارے میں وصیت (تاکیدی نصیحت) فرمائی ہے، اسے اس کی ماں نے کمزوری پر کمزوری برداشت کر کے حمل اٹھائے رکھا، پھر (ولادت کے بعد) اس کا دودھ چھڑانے تک دو سال لگتے ہیں، پس تم میرا شکر بجالاؤ اور اپنے والدین کی بھی قدر کرو، میری طرف ہی تجھے (بعد از وفات) لوٹ آنا ہے۔ اور اگر وہ دونوں تم سے جھگڑا کریں کہ تم میرے ساتھ ایسی مخلوق کو شریک کرو جس کا تجھے کوئی علم نہیں ہے تو ان کی بات نہ مانو، اور دنیا کے معاملات میں ان کے ساتھ بھلائی کا سلوک کرو۔''

دیکھیے ایک مسلمان کی نگاہ میں عقیدہ توحید کی کیا اہمیت ہے! اب اس کو شرک کرنے کا حکم دینا کتنا ناگوار ہوگا؟! لیکن اگر اس کے والدین اسے شرک میں مبتلا کر کے اپنے ساتھ ہمیشہ کے لیے دوزخ میں لے جانے پر اصرار کریں، تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس بات میں اپنے والدین کی اطاعت کرنا حرام ہے، لیکن اس کے باوجود دنیاوی امور میں ان کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم زائل نہیں ہوتا۔ لہٰذا کافر والدین کی خدمت کرنا بھی مسلمان اولاد پر ضروری ہے۔

اسی بنا پر اللہ کے رسول ﷺ والدین کی نافرمانی کو سنگین گناہوں میں شمار فرماتے ہیں۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: سألتُ رسولَ اللّٰهِ ﷺ أيُّ العملِ أحبُّ إلى اللّٰهِ؟ قال: ''الصلاةُ على وقتِها'' قال: ثمّ أيٌّ؟ قال: ''ثمّ برُّ الوالدينِ'' قال ثمّ أيٌّ؟ قال: ''ثمّ الجهادُ في سبيلِ اللّٰهِ'' [البخاري ح: ٥٠٤، ٢٦٣٠، ٥٦٢٥، ٧٠٩٦، مسلم ح: ٢٦٢-٢٦٤] ''میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: کون سا عمل اللہ کے ہاں زیادہ محبوب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''عین وقت پر نماز کی پابندی کرنا۔'' میں نے عرض کیا: پھر کون سا عمل؟ ارشاد فرمایا: ''پھر والدین سے حسن سلوک کرنا'' میں نے دریافت کیا: پھر کون سا عمل افضل ہے؟ ارشاد ہوا: ''پھر اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔''